# تپش شوق




بال کرشن مضطر

بصد خلوص و بصد احترام

جناب پیرزادہ ریاض صاحب کی نذر

بانکش مظفر

۱۸ مارچ 1976

بصد خلوص و بصد احترام

جناب پیر ادیب میاں جی صاحب کی نذر

بانکشن مضطر

۱۸ مارچ 1974

# تپشِ شوق

غزلیات

بال کرشن مضطر

راج محل گورو کشیتر

تاریخ اشاعت فروری ۱۹۷۶ء

تعداد ایک ہزار

قیمت تین روپے

طباعت جمال پرنٹنگ پریس دہلی ۱۱۰۰۰۶

کتابت رام نرائن مستانہ پانی پت

تقسیم کار

سنگم کتاب گھر جامعہ نگر نئی دلّی ۱۱۰۰۲۵



بال کرشن مضطر

نام ۔ بال کرشن مضطر

والد بزرگوار ۔ پنڈت راجہ رام بھاردواج

پیدائش ۔ ۲ر اکتوبر ۱۹۲۱ء

مقام ۔ راج محل کوروکشیتر

تعلیم و تربیت ۔ لاہور ۔ دہلی

شغل ۔ اردو، سنسکرت، ہندی و انگریزی کے تاریخی، ادبی، سماجی اور سیاسی ادب کا مطالعہ اور کھیتی باڑی ؛

۱۹۳۶ء میں حصولِ تعلیم کیلئے لاہور گیا۔ اردو کے مشہور طنز و مزاح نگار جناب کنہیا لال کپور کے فیض سے نظم و نثر کے مطالعہ و لکھنے کا شوق پیدا ہوا، جو کچھ بھی نظم و نثر مجھے آتی ہے وہ اردو ادب کی برگزیدہ اور صاحب قلم ہستیوں شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر اقبال، علامہ تاجور نجیب آبادی، مولانا عبد المجید سالک، مولانا صلاح الدین احمد ایڈیٹر ادبی دنیا، جناب میراجی، ڈاکٹر تاثیر جناب فیض احمد فیض، جناب یوسف ظفر، جناب قیوم نظر، جناب شورش کاشمیری، جناب بیخود دہلوی، جناب عبید ر دہلوی، علامہ کیفی، جناب جگر مرادآبادی، جناب امن لکھنوی، جناب منوّر لکھنوی، جناب گوپال متّل، کنور مہندر سنگھ بیدی سحر، جناب عبادت بریلوی، جناب پریم ناتھ در جناب نریش کمار شاد، جناب خموش سرحدی، جناب طالب پانی پتی، جناب آفتاب پانی پتی، جناب روشن پانی پتی کا کرم، فیض اور بخشش ہے ؛

ان بزرگوں کی قربت، محنت اور مشورہ نیز حلقہ ارباب ذوق وائی ایم سی اے لاہور کی رکنیت نے میرا فنی شعور سنوارا اور نکھارا، آل انڈیا ریڈیو لاہور اور دہلی میں سکرپٹ رائیٹر رہا، ادبی رسائل راہی، ایشیا، منزل، دستک، نیا مارگ، بزم خیال کی ادارت کی اور آج کل چٹان نکال رہا ہوں، ۱۹۳۶ء سے سیاست میں حصہ لینا شروع کیا، ہائی سکول سے نکالا گیا، ۱۹۳۸ء میں کمیونسٹوں کے اثر میں آیا، کمیونسٹ نواز پنجاب سٹوڈنٹس فیڈریشن کا سرگرم رکن رہا مگر ۱۹۴۱ء میں

"جنتا کی جنگ" کے سوال پر کمیونسٹوں سے الگاؤ ہوگیا، ۱۹۴۱ء سے ۱۹۵۳ء تک کانگرس سوشلسٹ پارٹی کا سرگرم رکن و عہدہ دار رہا، گرفتاری و جیل کا سلسلہ ۱۹۴۰ء سے شروع ہوا اور آج دن تک جاری ہے تقسیم وطن کے وقت پنجاب سٹوڈنٹس کانگرس کا صدر، اور آل انڈیا سٹوڈنٹس کانگرس کا جائنٹ سیکرٹری رہا، سرگرم اور عملی سیاست کے دور میں سبھاش چندر بوس، پنڈت جواہر لال نہرو، بیرسٹر آصف علی، سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری، منشی احمد دین، مردولا دیوی سارا بھائی، آچاریہ نریندر دیو، یوسف مہر علی، مینو مسانی، جے پرکاش نارائن اور ڈاکٹر رام منوہر لوہیا کے ہمراہ ایک ماہ سے لیکر تین سال تک بہت قریب رہا، زندگی کا بیشتر حصّہ پنجاب و دہلی میں گزرا، زندگی ہمیشہ ہنگاموں سے بھرپور رہی اور ہے، زہر کو قند کہنا، چمچاگری کرنا، درباری بننا اور بندہ کو خدا کہنا کبھی نہ آیا، غلط آدمی، غلط اصول اور غلط بات طبیعت کو راس نہیں، موجِ خوں سر سے گزر ہی کیوں نہ جائے مگر حق گوئی و بیباکی مسلک ہے، زندگی بھر اسی عادت کی قیمت چکا رہا ہوں، سینکڑوں نشیمن بنا کر پھونک دیئے، نہ ستائش کی تمنّا نہ صلہ کی پروا، آئینہ سے ڈرتا ہوں کیونکہ مردم گزیدہ ہوں، مذہبی دنیا میں بھگوان کرشن، حضرت عیسیٰ مسیح، امام حسین، گورو گوبند سنگھ اور رام کرشن پرم ہنس کا پرستار ہوں، تقریباً ایک درجن کتب کا مصنف ہوں، میونسپل کمیٹی تھانیسر کوروکشیتر کا ممبر، وائس پریذیڈنٹ و پریذیڈنٹ رہا، ایک غیر شاعرانہ، غیر ادبی، غیر سیاسی، غیر سماجی، غیر مذہبی لوگوں کے نہایت پسماندہ شہر کے دم گھوٹ ماحول میں رہ رہا ہوں، زمیں سخت ہے آسماں دُور ہے ۔

مجھے دعوائے شاعری ہرگز نہیں، غزل کہنا اور سننا پسند ہے۔ "شامِ میکدہ" اور "تپشِ شوق" کا فنی تجزیہ میں نقاد حضرات پر چھوڑتا ہوں ۔

## کیتھل

بقول جناب برق دہلوی آنجہانی

جب تک یہ جہاں مہر سے پُر نور رہے گا
میدان کورو کشیتر کا مشہور رہے گا

کورو کشیتر دنیا کا عظیم اور مقدس مقام ہے اور کورو کشیتر کی عظیم و مقدس ہستی پنڈت راجہ رام بھاردواج خلف پنڈت شنکر لال تھے، پنڈت راجہ رام ایک عالم، بیدار مغز، روشن خیال، ملنسار، بے باک و بے خوف اور بات کے دھنی تھے، کورو کشیتر سے متعلقہ اُن کی معلومات بے پناہ تھیں، اُن کا مقام کورو کشیتر میں انگوٹھی میں نگینہ کے مثل تھا، وہ کورو کشیتر کی سماجی و دھارمک زندگی کے محوّر تھے، صدیوں پُرانی سنستھا پنچایت برہمناں کے صدر تھے، وہ ان گِنے چُنے لوگوں میں سے تھے جن کا سرکار، افسران اور عوام سب احترام کرتے تھے، وہ سالہا سال تک میونسپل کمیٹی کے ممبر اور ہندو سبھا کے صدر رہے، کورو کشیتر یونیورسٹی کے قیام میں اُن کا قابل تعریف نمایاں کردار رہے۔

"شام میکدہ" اور "تپشِ شوق" کے مُصنّف پنڈت بالکرشن مضطر

اس عظیم و نادر ہستی کے اکلوتے لائق بیٹے ہیں، جناب مضطر میں بھی اپنے والد بزرگوار کے تمام اوصاف بدرجہ اُتم موجود ہیں، نظم و نثر، تقریر اور تحریر، ادارت و صدارت، حاضر جوابی، بذلہ سنجی، تیکھے اور چبھتے ہوئے مذاق، طنز و مزاح، غضب کا حافظہ، ہزاروں اشعار، تاریخی، مذہبی و سیاسی واقعات حفظ، عالموں اور بزرگوں کا احترام، صاف گوئی، ادب، سیاست اور مذہب کے وسیع مطالعہ میں مضطر صاحب کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ برطانوی سامراج کی قید و بند نے اُن کی طبیعت کو ایک اور جلا بخشی ہے، آچاریہ نریندر دیو، ڈاکٹر رام منوہر لوہیا اور جے پرکاش نارائن کی قربت نے ان کو سنوارا ہے۔ جناب مضطر کی طبیعت میں صلاحیت ہے، خودداری کے ساتھ قوم و وطن کا درد ہے، لچکنے کی بجائے ٹوٹ جانا اس کی فطرت ہے خلوص دلی کے ساتھ اُن کے کلام میں ولولوں اور بشاشیات کی کمی نہیں، تخیل پادر ہوا نہیں، اس میں زبان و فن کا کمال مضمر ہے، غزلیات میں زبان بازاری نہیں بلکہ ٹکسالی ہے، کلام کا ہر مصرعہ برجستہ ہے، ہر شعر فرمائے خستہ ہے، زبان سلیس اور شستہ ہے، ملاحظہ ہو:-

پیکرِ نور ہوں میں خاک کی تصویر نہیں
جس کو تخریب کا خدشہ ہو وہ تعمیر نہیں

سجدۂ دیر و حرم میں بھلا رکھا کیا ہے
دل کے بت خانہ میں کیا آپ کی تصویر نہیں

آگے ایک غزل میں فرماتے ہیں:۔

کم نگاہی کا نام پردا ہے
ورنہ ہر نقش ایک جلوا ہے
سب نظر کا قصور ہے ساقی
کوئی پردا نہ کوئی جلوا ہے
ہم نے دیکھا ہے یہ بھی اے مضطر
وقت پر غیر کام آتا ہے

غزل کا ایک اور انداز ملاحظہ ہو:۔

عشق کی ناکامیوں نے کر دیا کامل مجھے
اب کوئی مشکل نظر آتی نہیں مشکل مجھے
اب کہیں جا کر دعاؤں میں اثر پیدا ہوا
ذرّہ ذرہ میں نظر آتا ہے مرا دل مجھے

نفس میں روح میں دل میں سمائے جاتے ہیں
مجھے وہ اپنا سراپا بنائے جاتے ہیں

رہِ فنا میں کچھ ایسے مقام بھی تو ہیں
بغیر گائے جہاں گیت گائے جاتے ہیں
شبِ فراق خوش ہو کے کاٹ دی ہم نے
وہ آ رہے ہیں ابھی آئے آئے جاتے ہیں

مضطرؔ صاحب کی غزلیات اُن کے حساس کے عمق پر شاہد ہیں اشعر میں جذبات پاکیزہ اور خیالات کی پرواز بلند ہے ؛
میں صرف اُن کے کلام کے متعلق اتنا کہہ سکتا ہوں کہ :-

"ہرچہ از دل خیزد بر دل ریزد"

نرائن داس طالبؔ پانی پتی

# ہمایوں

اُردو کا ادبی ماہنامہ

ایڈیٹر

میاں بشیر احمد بی اے (آکسن) بار ایٹ لا

۲۳ لارنس روڈ
لاہور
۱۱ فروری ۱۹۴۳ء

"میں نے جناب بال کرشن مضطر کی نظم و نثر کا بہ غور مطالعہ کیا ہے۔ میری ناقدانہ رائے میں مضطر صاحب کے کلام میں بہترین ادبی صلاحیتیں و جدتیں ہیں، اُن کا اندازِ بیان و طرزِ تحریر انوکھی اور اچھوتی ہیں، جناب مضطر کے قلم میں زور اور اثر ہے، نیز اُنہیں زبان اُردو پر مکمل عبور حاصل ہے۔ اُن کا کلام خود بہترین ہونے کا منہ بولتا شاہکار ہے۔"

یوسف ظفر
جائنٹ ایڈیٹر

نیو ٹاؤن شپ

فرید آباد

" میں نے پنڈت بال کرشن مضطرؔ کا کلام غور سے دیکھا
زبان صاف، مضمون اعلےٰ اور بندش بے عیب ہے۔ غزلیں
اچھی ہیں"۔

گوبند داس خموشؔ سرحدی

## کرنال

جناب بال کرشن مضطر سے میری ملاقات کرنال کے ایک ادبی مشاعرہ میں ہوئی۔ ایک نوجوان کلاسکی انداز میں گنگنا کر مشاعرہ لوٹے لے رہا تھا۔ سامعین اور احباب کو چونکا رہا تھا، ہلکے پھلکے اشعار اور پیش کرنے کے ڈھنگ نے مشاعرہ میں جان ڈال دی، اس ملاقات کے بعد آج دن تک وہ میرا دوست ہے۔ مگر اس کی سیاسی اور ذاتی مصروفیات اس قدر گرم ہیں کہ اس کے پاس اب دوستوں کے لئے کم وقت ہے۔ مضطر صاحب جنگِ آزادی کے مجاہد اور طلباء کے لیڈر رہے ہیں، وہ زندگی میں ایمانداری، نفاست، ادب، رکھ رکھاؤ، شائستگی، خلوص اور نغمگی کا پرستار ہے۔ وہ بہت پیارا دوست اور خطرناک دشمن ہے، وہ جانِ محفل ہے۔ جہاں بیٹھ جاتا ہے "پھر وہ کہے اور سنا کرے کوئی" اس کے لطیفے، چٹکلے لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ بطور تحفے لے جاتے ہیں، بلا کے ذہین، تخیّل میں رنگینی اور جذبات میں گرمی، تقریر میں برجستگی، یہی رنگ اس کے اشعار میں جھلکتا ہے، خیالات کی بلندی اور وسعت، سنجیدگی اور معرفت سے بھرپور ہے، زندگی کے تجربات اور وسیع ادبی مطالعہ کا نچوڑ اشعار میں سمویا ہوا

ہے۔ معیارِ شعر اپنے مقام اور سطح سے کبھی نہیں گرا "شامِ مےکدہ" اور "تپشِ شوق" پنڈت بال کرشن مضطرؔ کی غزلیات کے حسین مجموعے ہیں، جو نہ ترقی پسندانہ ہیں، نہ رجعت پسندانہ بس شاعرانہ ہیں۔ مضطرؔ صاحب کی ہستی مختلف پہلوؤں پر مشتمل ہے اور ہر پہلو مکمل اور بھرپور ہے۔"

موہن ورما
مینجر کرنال کلا سنگم

شعلہ آشامِ آشیاں نہ ہوا
مسکنِ برقِ بے اماں نہ ہوا
آہ وہ قطرۂ سرِ مژگاں
جو کبھی بحرِ بیکراں نہ ہوا
دل ہلاکِ الم ہوا ہوگا
لب تو شرمندہ فغاں نہ ہوا
ہائے وہ اشکِ رائیگاں مضطرؔ
جو غمِ دل کا ترجماں نہ ہوا

عیسےٰ اگر ہے کہ غیرتِ عیسےٰ کرے کوئی
میرے غمِ نہاں کا مداوا کرے کوئی

حُسنِ نظر سے دل کا تقاضا کرے کوئی
ہاں اپنے جذبِ حُسن کو رسوا کرے کوئی

کچھ کیفِ زندگی ہے تو ناکامیوں میں ہے
کیوں ماتمِ شکستِ تمنّا کرے کوئی

مری نظر ہے محرمِ اسرارِ کائنات
پردہ یہی ہے مجھ سے نہ پردا کرے کوئی

بادِ خزاں سے بچئے کہ گلچیں سے برق سے
اک آشیاں کے واسطے کیا کیا کرے کوئی

معلوم ہے کہ موت ہے انجامِ سعیٔ ضبط
کس واسطے یہ کاوشِ بے جا کرے کوئی

مسجودِ عشق نقشِ کفِ پائے حُسن ہے
جائز نہیں کہ غیر کو سجدا کرے کوئی

ہر جنبشِ نظر ہے تماشا لئے ہوئے
اب کس نظر سے کس کو تماشا کرے کوئی

مرا طرزِ جنوں پرتو فگن ہے صحنِ گلشن پر
لکھی ہے داستاں میری گلوں کے چاک دامن پر

ہر اک تارِ نظر اُلجھا ہوا ہے غم کے کانٹوں میں
گُلِ عشرت کہاں سے دیکھئے ہستی کے دامن پر

نظر جو نقش سے آتے ہیں برگِ گُل کے دامن پر
یہ اے صیاد تحریریں ہیں آدابِ نشیمن پر

مجھے غم ہائے غیر کو کیفِ نشاطِ جاوداں بخشا
نمایاں داغ ہے یہ کاتبِ قسمت کے دامن پر

پیکرِ نور ہوں میں خاک کی تصویر نہیں
جس کو تخریب کا خدشہ ہو وہ تعمیر نہیں
گردشِ شام و سحر شاملِ تقدیر نہیں
شامِ ہجراں کی سحر ہو کوئی تدبیر نہیں
دیر و کعبہ میں کروں کس لئے جاکر سجدے
دل کے بُت خانہ میں کیا آپ کی تصویر نہیں
کارفرما ہیں ہر اک دیدۂ دل میں جلوے
ماہ و انجم ہی میں کچھ حسن کی تنویر نہیں

آفتابِ چرخ کس منزل کا ہے بھٹکا ہوا
جستجو میں کس کی یوں پھرتا ہے گھبرایا ہوا

دل بہ شکلِ اشک جو مژگاں پہ تھا اٹکا ہوا
گر پڑا دامن پہ غم کی داستاں کہتا ہوا

ہر شعاعِ حسن خود ہی اک حجابِ حسن ہے
حسن پردے سے نمایاں بھی ہوا تو کیا ہوا

درد نے لیں کروٹیں سی جب دلِ بیتاب میں
ایک طوفاں سا اٹھا اک حشر سا برپا ہوا

میری خاکِ دل کے ذرّے آسمانِ عشق پر
کچھ مہ و انجم بنے اک مہرِ رخشندہ ہوا

اعتبارِ وعدہ کہئے یا فریبِ انتظار
جب کبھی پتّہ بھی کھڑکا آپ کا دھوکا ہوا

بنا کر خود ہی ہم نے آشیاں اپنا جلایا ہے
غرض برقِ تپاں کا بارہا خاکہ اُڑایا ہے
ارے توبہ یہ جذبِ اضطرابِ ذوقِ نظارہ
کہ خود بےتاب ہو کر حُسن نے جلوہ دکھایا ہے
بچھڑ کر کارواں سے کھو گیا تھا راہِ منزل میں
قضا نے تھام کر دامن مجھے رستہ دکھایا ہے
رہی یہ کشمکش تعمیر و تخریب محبّت میں
کبھی مجھ کو بنایا ہے کبھی مجھ کو مٹایا ہے

یہی ہے حشر تو انجامِ کار ہونے دے
کہ کُل کو جزو سے اب ہم کنار ہونے دے

ہزار بار میں تکمیلِ زندگی کر لوں
کہیں جو عہدِ وفا کامگار ہونے دے

تجلّیات کو حیراں بنا نہ دوں تو سہی
نفس نفس کو مرے شعلہ بار ہونے دے

ہر ایک ذرّہ کو تنویر بخشنے والے
مری نظر کو بھی آئینہ دار ہونے دے

نگاہِ مہر نہیں تو نگاہِ قہر سہی
کوئی تو تیر کلیجے کے پار ہونے دے

نہ ڈال وہم میں اندیشۂ خزاں مجھ کو
نظر کو صرفِ طلسمِ بہار ہونے دے

بقدرِ ظرفِ نظر پردۂ جمال اُٹھا
بقدرِ ذوق مجھے کامگار ہونے دے

وہ آپ جلوہ دکھائیں گے اے دلِ مضطر
جنونِ ذوقِ نظر کامگار ہونے دے

کم ظرف ہم نہیں ہیں پی کر بہک جو جائیں
پھر آزمانے والے سو بار آزمائیں

جب وہ نظر اٹھائیں جب وہ نظر ملائیں
ہم کیا ہیں دو جہاں بھی تھرائیں ڈگمگائیں

آئے نہ حرف کوئی ضبطِ غمِ نہاں پر
اے گریۂ محبت آنسو ٹپک نہ جائیں

جرأت کہاں زباں سے اظہارِ حال کیجئے
آنکھوں سے ہو رہی ہیں خاموش التجائیں

کیا سحرِ رنگ و بو ہے کیا یہ طلسم فطرت
اک جنبشِ نظر میں سب راز کھول جائیں

میں جانتا ہوں مضطرؔ حسنِ مجاز کیا ہے
کچھ مستعار جلوے مانگی ہوئی ادائیں

کچھ غرورِ حسن میں ترمیم سی ہونے لگی
کامیاب اپنی ادا سے عاجزی ہونے لگی
ہر نفس کی موت میں ہے ایک تازہ زندگی
ہر نفس کی موت گویا زندگی ہونے لگی
بھر گیا پھر دل میں کوئی عشق کی چنگاریاں
روح میں محسوس پھر اک آگ سی ہونے لگی
لو دہانِ زخمِ دل ہنستے ہیں میرے حال پر
کوششِ ضبطِ مسلسل کی ہنسی ہونے لگی

خبر یہ سُن رہا ہوں آج کچھ اُڑتی ہوئی وہ بھی
کہ آتا ہے تغافل کیش پُرسش کو مری وہ بھی

کہاں ہم اور کہاں جلوے حریم ذات کے اے دل
اُڑا لائی تھی اک دن ایک موج بیخودی وہ بھی

جب عجزِ عشق بڑھتا ہے حدِ بیچارگی سے کچھ
غرورِ حُسن کو آتی ہے اک انگڑائی سی وہ بھی

نمایاں فرق ہے اس ربطِ باہم پر بھی اے ناصح
تعین سے بری ہم بھی تعین سے بری وہ بھی

نشاطِ جاودانی کی اُمیدیں لے کے آئے تھے
چلے در سے ترے لے کر غمِ بیچارگی وہ بھی

اب رات ڈھل چکی ہے شائد کہ وہ نہ آئیں
یہ جان بیوا لمحے کس آس میں بتائیں

بہکیں تو ہوش آئے دیر و حرم کو سمجھیں
یعنی کدھر جھکیں ہم سجدے کہاں لٹائیں

مجموعۂ شورشوں کا وہ بھی شکست خوردہ
تصویر تیری انساں آ ہم تجھے دکھائیں

ناکامیوں کی لذّت بے چارگی کا عالم
بیگانۂ محبّت کیا جانیں کیا بتائیں

یہ کیفِ انتظارِ شام و سحر کہاں پھر
یہ بھی کرم ہے اُن کا اچھا ہے وہ نہ آئیں

خودداریاں تو مضطر دیکھے کوئی ہماری
ہم بزم میں نہ جائیں وہ تمکدے میں آئیں

زندگی لذتِ کشِ خوابِ فنا ہے آج کل
ہر نفس ہر لمحہ پیغامِ بقا ہے آج کل

بے کسی جزوِ دلِ غم آشنا ہے آج کل
بس یہی اک حاصلِ عشق و وفا ہے آج کل

ہاں ذرا ذرّوں کو پھر جلوہ بداماں کر تو دے
پھر جنونِ جستجو حد سے سوا ہے آج کل

مسکرا دیتا ہے یوں مشقِ وفا پر دل مرا
ہر جفا اُن کی باندازِ وفا ہے آج کل

مطربِ آتشِ نفس کیوں سرد ہے بزمِ طرب
جلوۂ ساقی یہ کیا اندھیر سا ہے آج کل

ہر گھڑی تازہ ستم ہر لمحہ اک پیوندِ غم
زندگی مفلس گداگر کی قبا ہے آج کل

ہو گئی شاید کہ تکمیلِ جنونِ عاشقی
تیرا مضطر بے نیازِ مدعا ہے آج کل

○

بلا سے آسماں ٹوٹے کہ برسیں بجلیاں کیا ہے
سلامت خانۂ صیاد، فکرِ گلستاں کیا ہے

ازل سے ہر نفس حیراں ہے میرا اس تجسّس میں
یہاں کیا ہے وہاں کیا ہے عیاں کیا ہے نہاں کیا ہے

ہمارا ذوقِ سجدہ پاک ہے قیدِ تعیّن سے
تمہاری رہگذر کیسی تمہارا آستاں کیا ہے

جو کرنا ہے تو اِس راہِ فنا میں کر گزر جلدی
یہ ذکرِ رفتگاں کیا ہے یہ فکرِ این و آں کیا ہے

کسی کا خوفِ رسوائی ہے ورنہ میں یہ کہہ دیتا
کہ یہ رازِ مکاں کیا ہے طلسمِ لامکاں کیا ہے

سلامت جذبۂ دل ہے تو منزل ہوگی قدموں میں
تلاشِ خضر کیسی احتیاجِ کارواں کیا ہے

ذرّہ بقدرِ وسعت صحرا میرے آگے
قطرہ ہے اصل جوہرِ دریا میرے آگے

وہ ایک سانس قیمت صد کائنات تھا
جو دل کے بیٹھ جانے سے ڈوبا میرے آگے

دل روح میکدہ ہے نظر جانِ میکدہ
اب ہر نفس ہے موجہ صہبا میرے آگے

رازِ بقائے عشق ہی اصل حیات ہے
بن بن کے راہِ عشق میں مٹنا میرے آگے

صد جلوۂ لطیف بداماں ہے ہر نظر
اے بے خودی یہ کیا ہے تماشا میرے آگے

داغِ فراق، داغِ الم، داغِ آرزو
دل جلوہ گاہِ حسن ہے گویا میرے آگے

واقف ہیں حسنِ دوست تری بے رُخی سے ہم
مجبور ہو نہ جائیں گزر کر خودی سے ہم

ہے خندہ زن نگاہ طلسمِ مجاز پر
کچھ اور آگے جائیں گے ہوش و خودی سے ہم

سو حسن اور بڑھ گئے ذوقِ سجود میں
جھکے جو بندگی میں شعورِ خودی سے ہم

احساسِ انتظار نے مجبور کر دیا
گھبرا کے بڑھ گئے حدِ بیچارگی سے ہم

توہینِ جذبِ عشق گوارا نہیں ہمیں
باز آئے لذتِ غمِ بے چارگی سے ہم

قیدِ وفا و بندِ الم ہندشِ جنوں
کیسے رہا ہوں کشمکشِ زندگی سے ہم

آنے لگا ہے ہوشِ جنونِ بہار کو
ہونے لگے ہیں دور حدِ بیخودی سے ہم

مضطر لبوں پہ نعرۂ منصور آگیا
لو پھر بہک چلے ہیں مئے بیخودی سے ہم

وہ جزو ہر نفس ہے یہ زندگی تو دیکھو
لیکن خبر نہیں ہے یہ بے خودی تو دیکھو

ہر چند مٹ رہا ہے لیکن ہنسی ہے لب پر
مجبورِ آرزو کی یہ بے کسی تو دیکھو

محسوس ہو رہا ہے گویا کہ میں خدا ہوں
یہ رفعتِ فریبِ حُسنِ خودی تو دیکھو

سر کو جھکا رہا ہوں اپنے ہی نقشِ پا پر
یہ بے خودی کا عالم یہ بندگی تو دیکھو

نقشِ جہاں زمیں پر پیہم بنا بنا کر
خود ہی مٹا رہا ہوں دیوانگی تو دیکھو

کلیوں کی مسکراہٹ تاروں کی جگمگاہٹ
پردوں کی آڑ میں یہ جلوہ گری تو دیکھو

قدموں میں منزلیں ہیں جنبش نہیں قدم کو
واماندہ جستجو ہوں واماندگی تو دیکھو

ناکام جستجو ہوں پابندِ ایں و آں ہوں
یہ میری کم نگاہی کم ہمتی تو دیکھو

محسوس ہو رہا ہے گویا وہ آ گئے ہیں
مضطرؔ یقیں کی یہ بھی فتنہ گری تو دیکھو

ذوقِ نظر کمی ہے ابھی اضطراب میں
جلوے تڑپ کے رہ گئے حدِ حجاب میں
میری شکستگیٔ نظر پر نہ جائیے
آئے نہ فرق آپ کے حسنِ حجاب میں
کھو کر نظر ہجومِ تجلّی میں رہ گئی
کیا مل گیا شکستِ طلسمِ حجاب میں
مجبوریاں نہ پوچھ کہ "ناکامِ آرزو"
مَیں خود کو لکھ رہا ہوں محبّت کے باب میں
تڑپائے جا اسی طرح اے دردِ دل مجھے
ہے کیفِ صد سکوں بھی اسی اضطراب میں
یوں ہی سہی کہ تابِ نظارہ نہیں مجھے
رہنے دو بس حجاب کی باتیں حجاب میں
مضطرؔ نظر کی جلوہ پسندی کو روئیے
دل خود ہی مبتلا ہے طلسمِ سراب میں

غرورِ حسن سے ٹکرائے کیا خودی اپنی
زبانِ عجز ہے توہینِ بندگی اپنی

خرد شعورِ حقیقت سے ہے تہی اپنی
نظر مجاز کے جلوؤں میں کھو گئی اپنی

سمجھ میں عالمِ ہستی کا راز آ جائے
فنا کی حد سے جو بڑھ جائے زندگی اپنی

ہر ایک ذرّہ پہ منزل کا احتمال ہوا
عجیب راہ سے گزری ہے بیخودی اپنی

خودی کا رنگ کبھی مجھ پہ چڑھ نہیں سکتا
ڈھلی ہے عجز کے سانچے میں زندگی اپنی

لو چراغِ اُمید بجھتا ہے
تارا صبح کا جھلملاتا ہے

کم نگاہی کا نام پردا ہے
ورنہ ہر نقش ایک جلوا ہے

پیئے دیدار اشک بن کر دل
نوکِ مژگاں پہ آکے ٹھہرا ہے

بکھرا جاتا ہے زندگی کا نظام
تارِ انفاس ٹوٹا جاتا ہے

جانتی ہے نگاہِ دیدہ ور
قطرہ قطرہ ہے دریا دیکھا ہے

اپنی صورت کو تک رہا ہوں میں
یہ تماشا بھی کیا تماشا ہے

سب نظر کا شعور ہے ساقی
کوئی پردہ نہ کوئی جلوا ہے

ہم نے دیکھا ہے یہ بھی اے مضطر
وقت پر غیر کام آتا ہے

○

بے پردہ تو ہو جائے رُخِ حُسن مگر کیوں
شرمندۂ تعبیر ہو یہ خوابِ نظر کیوں
مسدود ہوا آنکھوں سے تری راہگذر کیوں
رہ جائے ستاروں میں اُلجھ کر یہ نظر کیوں
اک حُسنِ جہاں تاب کا اندازِ نو پائے
محدودِ نظر ہی رہے یہ ذوقِ نظر کیوں
اک نقش ہی کافی ہے پئے کسبِ حقیقت
ہر نقش ہو کونین کا مسجودِ نظر کیوں
بازیچۂ فطرت تھا وہیں خُلد میں رہتا
بھیجا گیا اس عالمِ فانی میں بشر کیوں
کچھ ربط نہیں ظلمت و تنویر میں مضطر
ہوتی ہے مگر شام کی تاریک سحر کیوں

رابطِ راز و نیاز کیا کہیئے
غزنوی ہے ایاز کیا کہیئے

مجھکو بھٹکائے ہے حقیقت سے
یہ فریبِ مجاز کیا کہیئے

لالہ و گل جمال کی منزل؟
نکتۂ امتیاز کیا کہیئے

مجھ کو حسنِ نظر پہ اپنے غرور
اُن کو پردہ پہ ناز کیا کہیئے

وجہ تخلیقِ آب و گِل کیا ہے
یہ ہے فطرت کا راز کیا کہیئے

کارفرما ہیں لغزشیں دل کی
یہ طلسمِ مجاز کیا کہیئے

ہے مختصر کہانی تکمیلِ آرزو کی
کچھ وہ بڑھے ادھر کو کچھ ہم نے جستجو کی

دل نے ہزار روکا پاسِ ادب نے ٹوکا
جو ہم نے کی شکایت اُن کے ہی روبرو کی

جب تک دل و نظر میں ہوگا نہ ربط پیدا
ہوگی نہ تا قیامت تکمیل جستجو کی

دامن کشِ نظر تھا ہر خار گلستاں کا
کرنے گئے تھے اک دن ہم سیر رنگ و بو کی

پھر گدگدا رہی ہے دردِ نہاں کی لذّت
پھر دل کو آرزو ہے تجدیدِ آرزو کی

وہ بھی مقام ہم نے دیکھا ہے بیخودی میں
ہوتی نہیں جہاں پر تفریق ما و تُو کی

پلکوں ہی میں اُلجھ کر شاید نہ رہ گیا ہو
دل کی بساط ہی کیا اک بوند تھی لہو کی

اپنی نہ جستجو کی انسان نے اے مضطرؔ
کہنے کو چاند تاروں کی اُس نے جستجو کی

درسِ عبرت قصۂ منصور ہو کر رہ گیا
جو تعین سے بڑھا مجبور ہو کر رہ گیا

جانے کیا دکھلا دیا اُس کو نگاہِ شوق نے
دل حریفِ جلوۂ مستور ہو کر رہ گیا

عقل بے چاری تو کیا پاتی نشانِ بے نشاں
عشق بھی اس راہ میں مجبور ہو کر رہ گیا

دُور تھا جب تک رہا نزدیک سے نزدیک تر
اور جب نزدیک پہنچا دُور ہو کر رہ گیا

پڑ گئی یہ کس سراپا حُسن کی اس پر نظر
ذرہ ذرہ خاکِ دل کا طور ہو کر رہ گیا

عالمِ وارفتگی میں عشق جو کچھ کر گیا
وہ ہمیشہ کے لئے دستور ہو کر رہ گیا

خاکدانِ دہر پر جب بیخودی نے کی نظر
اس کا ہر ذرہ جوابِ طور ہو کر رہ گیا

کمالِ ضبط پر بھی غم اثر دکھلا ہی جاتا ہے
ڈھلک کر اک نہ اک آنکھوں میں آنسو آ ہی جاتا ہے

تصوّر کے اثر سے یا کمالِ جذبۂ دل سے
نظر کے سامنے وہ مسکرا کر آ ہی جاتا ہے

دلاسے پر دلاسے دے رہی ہیں اِس کو اُمیدیں
مگر دل ہے کہ فرطِ یاس سے ڈوبا ہی جاتا ہے

خرد اُلجھا کے رکھ دیتی ہے جس گتھی کو قدرت کی
مرا دستِ جنوں بڑھ کر اُسے سُلجھا ہی جاتا ہے

اُبھرتا ہے جو دل غرقِ طلسمِ رنگ و بُو ہو کر
شہود و غیب کی گہرائیوں کو پا ہی جاتا ہے

وہی اک جذبۂ بے ساختہ پن ہے دلِ مضطر
ارادہ بے ارادہ جو زباں پر آ ہی جاتا ہے

گزریں خودی کی حد سے کیوں بے خودی کی خاطر
مرگِ جنوں قبول لیں اس زندگی کی خاطر

نقصِ جنوں نہیں ہے وجہِ سکوتِ جلوہ
میں محوِ بے خودی ہوں تیری خوشی کی خاطر

با اختیار ہو کر بے اختیار ہوں میں
کم بخت اس سکونِ بے چارگی کی خاطر

میں زیرِ دام آیا کیوں عین فصلِ گل میں
صیاد آہ تیری افسردگی کی خاطر

کیف و نشاطِ ہستی مضطرؔ نہیں میسر
جینے کو جی رہا ہوں تیری خوشی کی خاطر

(۱)

پردہ نہ کر نگاہِ حقیقت طراز سے
کیجئے مذاق یہ کسی اہلِ مجاز سے
اے عشق کچھ اُبھرنے دے حدِ نیاز سے
دل چاہتا ہے چھیڑ کریں اہلِ ناز سے
دَیر و حرم ہیں ایک تجلی کے دو مقام
اِن کو نہ دیکھ تو نگہِ امتیاز سے
ہم نے بھی اب اُڑائی ہے اُسکی ادائے ناز
رہنے لگے ہیں ہم بھی ذرا بے نیاز سے
ایسے میں کاش مطربِ آتش نفس ملے
نغمات تو برس پڑیں ہستی کے ساز سے

دیتے ہیں جب وہ بادۂ احمر کہے بغیر
کیسے نہ چوم لوں لبِ ساغر کہے بغیر
رنگِ نظر ہے بیخودی پرور کہے بغیر
پیتا ہوں کوئی دیتا ہے ساغر کہے بغیر
ایسا بھی اک مقام حدودِ خودی میں ہے
ہوتا ہے خم جہاں سرِ خودسر کہے بغیر
منظور ہے شکستِ خودی اے جنونِ شوق
جھکتا ہوں میں تو نقشِ قدم پر کہے بغیر
مانا کہ وہ ملیں گے میرے دل کے آس پاس
لیکن نظر اٹھاؤں تو کیوں کر کہے بغیر
حسنِ خیال ہے کہ نظر کا فریب ہے
یا واقعی وہ آئے مرے گھر کہے بغیر
ساحل سے دور، شورِ تلاطم، بھنور کا زور
بنتی نہیں ہے کشتی لنگر کہے بغیر

○

جو نظر نہیں ہے حامل ترے حُسن بیش و کم کی
اُسے دَیر کا پتہ کیا اُسے کیا خبر حرم کی
ابھی ہے جنوں میں خامی ابھی عشق میں کمی ہے
ابھی احتیاج مجھ کو ہے جہاں کے زیر و بم کی
ابھی اَور مرحلے ہیں ابھی اَور منزلیں ہَیں
ابھی ہوں رہِ فنا میں ابھی کیا خبر عدم کی
بَس ترے نثار گلچیں وہی حسرتِ نشیمن
چڑھی جو نظر میں تیری وہی شاخِ گُل قلم کی
یہ مذاقِ شیخ و پنڈت کہ بھٹک رہے ہَیں دونوں
اِسے جستجو حرم کی اُسے آرزُو صنم کی

○

بے کلی سی بے کلی ہے اِن دِنوں
حالِ دل ناگفتنی ہے اِن دِنوں
تیرے اندازِ تغافل کی قسم
زندگی بے چارگی ہے اِن دِنوں
پھول افسردہ کلی ہے مضمحل
خار کے لب پر ہنسی ہے اِن دِنوں
مے نئی، ساقی نیا، ساغر نیا
رنگِ محفل اور ہی ہے اِن دِنوں
آدمی کا آدمی معبود ہے
بندگی کیا بندگی ہے اِن دِنوں؟

کوئی ہو شاعر، مغنی یا علیم
کشتۂ صد بے کسی ہے اِن دِنوں
گرم ہے بازار دار و گیر کا
رہزنی سی رہزنی ہے اِن دِنوں
شیطنت ہے رقص فرما چار سُو
شستہ دشنو میں آگہی ہے اِن دِنوں
روشنی ملتی نہیں مضطر ہمیں
ہر نظر میں خیرگی ہے اِن دِنوں

فلک پر ماہِ تاباں دیکھتا ہوں
کہ داغِ دل فروزاں دیکھتا ہوں
مذاقِ حسن پنہاں دیکھتا ہوں
گلوں کو چاکِ داماں دیکھتا ہوں
حقیقت سے گریزاں دیکھتا ہوں
شعور و ہوشِ انساں دیکھتا ہوں
نظر کو حسن بخشا ہے جنوں نے
کہ ہر قطرہ میں طوفاں دیکھتا ہوں
یہ داغِ دل یہ آنسو یہ ستارے
چراغاں در چراغاں دیکھتا ہوں
مرے احساس کا عالم نہ پوچھو
حقیقت کو نمایاں دیکھتا ہوں

○

اثر انداز جب تک جذبۂ کامل نہیں ہوتا
عبادت کو مقامِ بے خودی حاصل نہیں ہوتا

سکونِ دل بقدرِ اضطرابِ دل نہیں ہوتا
تصوّر التفاتِ حُسن کا حائل نہیں ہوتا

یہی ہے شوق کا حاصل کہ کچھ حاصل نہیں ہوتا
دلِ منزل طلب شرمندۂ منزل نہیں ہوتا

مری ذاتِ مقدّس دُور ہے قیدِ تعیّن سے
مَیں وہ رہرو ہوں جو شرمندۂ منزل نہیں ہوتا

یہ قطرہ کیسا قطرہ ہے یہ طوفاں کیسا طوفاں ہے
یہ کیوں دریا نہیں بنتا یہ کیوں ساحل نہیں ہوتا

شعورِ آگہی نے ذوقِ خودداری وہ بخشا ہے
کہ جلوہ اور شریکِ جلوۂ محمل نہیں ہوتا

وہ کب حدِ نظر سے دور ہے کب دور رہتا ہے
وہ کب دل سے جدا ہے کب قریبِ دل نہیں ہوتا

کوئی وجہ تعلق ہو مگر پردہ نہیں اُٹھتا
وہ دل میں اس گھڑی آتے ہیں جب دل دل نہیں ہوتا

نہیں موجود جب کچھ فاصلہ شکل و تصور میں
تو کیوں دیر و حرم دونوں کا دل قائل نہیں ہوتا

جنون و عشق میں مضطرؔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے
جہاں پر امتیازِ ما و تو حائل نہیں ہوتا

مآلِ خندۂ گل سے جو آگہی ہوتی
کلی نہ بھول کے گلشن میں پھر ہنسی ہوتی

ہر ایک ذرہ مجھے آفتاب ہو جاتا
نظر کے ساتھ جو دل کی بھی روشنی ہوتی

اگر حدودِ جنوں کو بھی پار کر جاتا
جنونِ شوق کی تکمیل ہو گئی ہوتی

قسم خدا کی اے بندے تو ہی خدا ہوتا
جو بے خودی کہیں حد سے گزر گئی ہوتی

وہ احتیاطِ نظر جس کو ضبطِ ہوش کہیں
جو دل نہ ہوش میں آتا تو کیا بنی ہوتی

ہزار سایۂ گیسو بھی ڈال کر دیکھا
مری تڑپ میں نہیں بال بھر کمی ہوتی

تری خوشی میں رہی ہے مری خوشی شامل
تری خوشی میں نہیں کیوں مری خوشی ہوتی

میں دل میں طور کے جلووں کو دیکھتا مضطر
خود اپنے جہل سے جو مجھ کو آگہی ہوتی

جتنی شب فراق ہے اپنی سحر سے دُور
اُتنی دعائے نیم شبی ہے اثر سے دُور
فکر و خیال ہوش و خرد کے اثر سے دُور
جلوؤں سے کھیلتا ہوں میں حدِ نظر سے دُور
اک عالمِ عروج ہے میری نگاہ میں
دل کے قریب رفعتِ شمس و قمر سے دُور
کامل تری نگاہ نہیں ناظرِ حیات
منظر ہے ایک اور بھی حدِ نظر سے دُور
کب تک نیاز مند سے یہ بے نیازیاں
کب تک پڑے رہے گا ترے سنگِ در سے دُور
کونین کی حدوں سے پرے جا کے دیکھئے
اک اور بھی طلسم ہے حدِ نظر سے دُور
مضطرؔ بسائیں عشق و محبت کا اک جہاں
لیکن محیطِ گردشِ شام و سحر سے دُور

عشق آشوبِ ناز کیا جانے
ربطِ ناز و نیاز کیا جانے
دل حقیقت نواز ہے آخر
دل فریبِ مجاز کیا جانے
وجہ تخلیقِ آب و گِل ہے راز
کوئی بے کس یہ راز کیا جانے
یہ نشیب و فرازِ ہستی کیا
دل نشیب و فراز کیا جانے

نیرنگیٔ ایام کا اندازِ جفا دیکھ
وہ آئے عیادت کو بھی تو وقتِ قضا دیکھ

ہر رنگ میں ہے حُسنِ ازل جلوہ نما دیکھ
سُورج کی چمک دیکھ ستاروں کی ضیا دیکھ

رنگینیٔ آغازِ محبت پہ نہ جا دیکھ
انجام کو بھی اے نگۂ عشق ذرا دیکھ

ہے شعلۂ پرسوز یہ جل جائے گا عالم
اے بادِ صبا خاکِ نشیمن نہ اُڑا دیکھ

اے برق تجھے اپنے شراروں کی قسم ہے
آ میرے شکستہ سے نشیمن کو جلا دیکھ

رکھنا نہ کبھی دستِ حنائی مرے دل پر
خوں ہو کے جگر بہتا ہے کچھ اَور سِوا دیکھ

سجدوں سے بھی ہو جاتی ہے تکمیلِ محبّت
ہر خاک کے ذرّے پہ ذرا سر کو جُھکا دیکھ

مضطر نے سرِ بزم یہ حق بات کہی ہے
مت دیکھ زمانے کی خطا اپنی خطا دیکھ

مہرباں ہیں آپ جب تک مہرباں میرے لئے
ہیچ ہے سب گردشِ ہفت آسماں میرے لئے

دولتِ عرفاں سے مالامال کر دیتی ہے یہ
بے خودی ہے باعثِ تسکین جاں میرے لئے

دے رہی ہے اے امیدِ وصل کیوں مجھ کو فریب
وہ قرارِ جان و دل توبہ کہاں میرے لئے

کیوں نہ ہوں آخر فدائے رہزنِ صبر و قرار
عشق میں صبر و سکوں حاصل کہاں میرے لئے

کس طرف جاؤں کہاں جاؤں جہانِ عشق میں
شکلِ سایہ ساتھ ہیں ناکامیاں میرے لئے

ہوگئی گھر بیٹھے میرے حال کی ان کو خبر
بن گئیں قاصد مری خاموشیاں میرے لئے

اس نشان سے اپنی منزل پر پہنچ جاؤنگا میں
رہبرِ منزل ہے گردِ کارواں میرے لئے

میں اسے چاہوں تو مضطر دم زدن میں توڑ دوں
کھیل بچوں کا ہے قیدِ جسم و جاں میرے لئے

بے فائدہ کیوں آرزوؤں کا لہو کریں
ہم کس لیے نہ اپنی بھلا جستجو کریں

اب چشمِ خونفشاں کے لئے کچھ تو چاہیئے
دل کا نشاں نہیں تو جگر کا لہو کریں

قطرہ بھی اب تو اشک کا مژگاں پہ بار ہے
کیا آرزو کریں تری کیا جستجو کریں

وہ اِس لئے خموش ہیں مَیں التجا کروں
مَیں اس لئے خموش کہ وہ گفتگو کریں

ہے جذبِ اضطراب تمنّا میں کچھ کمی
ورنہ وہ خود تڑپ کے مری آرزو کریں

پھر لذّتِ جفا کے لئے دل ہے بیقرار
اے کاش پھر وہ ذکرِ وفائے عدو کریں

ایسی بھی اک نگاہ اِدھر شاہدِ جمال
تو سامنے ہو اور تری جستجو کریں

مضطر ہمارے ساتھ چلو آج میکدہ
دو گھونٹ پی کے آج ہم ترکِ سبو کریں

روبروِ حُسن کے شرحِ غمِ پنہاں کرنا
سخت دشوار ہے یہ کارِ نمایاں کرنا
مسکرا کر نظر و قلب کو حیراں کرنا
مجھکو دیوانہ ذرا تا حدِ امکاں کرنا
ایک مجبورِ محبّت کا تبسّم کیا ہے
بسکہ تعمیلِ نشاطِ غمِ پنہاں کرنا
داغ پر داغ وہ دل پر جو دیئے جاتے ہیں
اُن کو منظور ہے تفسیرِ گلستاں کرنا
حُسن کو عشق کے انداز سکھلانے پڑتے
کھیل مضطرؔ نہیں اس درد کا درماں کرنا

کس لئے دیر و حرم میں تُو خدا کا نام لے
ہو سکے تو بیخودی کا بڑھ کے دامن تھام لے

ہولنے دے خونِ تمنا خامشی کا ظرف دیکھ
درد کا درماں بنا اب درد ہی سے کام لے

اپنے مرکز پر پلٹ آئیں گے پھر قلب و نظر
کچھ خودی کا رنگ دیکر بیخودی سے کام لے

ٹوٹ جائے گا طلسمِ پردہ داریِ حُسن کا
تُو اگر ذوقِ نظر آسودگی سے کام لے

سرد ہے بزمِ تکلف دم بخود ہے کائنات
بے خودی کو چھوڑ اب دیوانگی سے کام لے

زندگی کی زندگی ہے بندگی کی بندگی
خدمتِ خلقِ خدا میں عاجزی سے کام لے

کیا غرورِ حُسن یہ دونوں جہاں قدموں پہ ہیں
بے نیازِ این و آں ہو اور خودی سے کام لے

پاسِ میخانہ بھی ہے مضطر طلوعِ شام بھی
ایسے میں ساقی سے آکر تُو بھی اک دو جام لے

جب بھی وہ مینارۂ منزل نظر آیا مجھے
اُس میں اپنا ہی چراغِ دل نظر آیا مجھے

غم بقدرِ انبساطِ دل نظر آیا مجھے
یعنی اب طوفان ہی ساحل نظر آیا مجھے

ہر نشاں ہے بزمِ ہستی کا نشانِ بے نشاں
نقشِ باطل نقشِ آب و گِل نظر آیا مجھے

لے کے جتنی دور تک پہنچا مرا ہوشِ نظر
ہر قدم پر کار فرما دل نظر آیا مجھے

یہ مری کم ہمتی ہمت شکن کی ہے دلیل
کارِ آساں جو بھی تھا مشکل نظر آیا مجھے

اب ہوا مضطرؔ کہیں یہ جذبۂ دل کامیاب
ذرّے ذرّے میں دھڑکتا دل نظر آیا مجھے

یہ کیا نازک مقامِ عالمِ اسرار ہے ساقی
کہ شوقِ دید بھی تارِ نظر پر بار ہے ساقی

دو عالم چھوڑ کر تیری نقابِ رُخ سے جا اُلجھی
نگاہِ شوق میری کس قدر ہوشیار ہے ساقی

نگاہ و دل میں ربطِ خاص پیدا ہوتا جاتا ہے
اُٹھا پردہ کہ اب پردہ تیرا بیکار ہے ساقی

وہی میخانۂ ہستی سے تشنہ کام جائیگا
کہ جس کا ہر نفس غرقِ مے پندار ہے ساقی

بالفاظِ دگر توہین ہے ہوشِ نظارا کی
ترے حُسنِ تصوّر سے نظر دوچار ہے ساقی

یہ مانا ہر قدم پر ظلمتیں ہیں راہِ ہستی میں
مری ہر سانس بھی تو مطلع الوار ہے ساقی

نہ کر مجبور شرحِ داستانِ زندگی مجھ کو
یہ ہستی اک غمِ ناقابلِ اظہار ہے ساقی

یہ شرم و عار کیا ہے یہ جھجک کیا ہے حیا کیا ہے
جسے کہتے ہیں مضطر وہ ہمارا یار ہے ساقی

غلط ہے کشتۂ تقدیر ہوں میں
ہلاکِ شورشِ تدبیر ہوں میں

نیاز و ناز کی تفسیر ہوں میں
کہ خود آئینہ خود تصویر ہوں میں

مشیت کا جسے شہکار کہئے
وہ دیدہ زیب اک تصویر ہوں میں

کبھی گیسو کبھی عارض کا پرتو
کبھی ظلمت کبھی تنویر ہوں میں

مجھے پڑھ کر سمجھنا، کارِ دارد
کہ اک بے ربط سی تحریر ہوں میں

ہوائے دامنِ ظلمت کرے کیا
چراغِ حسنِ عالمگیر ہوں میں

غمِ تخریب ہے اصلِ مسرت
حیاتِ حسرتِ تعمیر ہوں میں

نہیں مضطرؔ مجھے ان سے علاقہ
عدوئے حرص و دار و گیر ہوں میں

ضبطِ الم کو پاسِ شکستِ الم نہیں
ہنستے ہیں وہ کہ رونے کے قابل بھی ہم نہیں

اک جنبشِ نفس میں ہوئی طے رہِ فنا
واللہ دو قدم بھی یہاں سے عدم نہیں

ہر چند ہر نفس ہے ہمارا ستم نواز
شرمندۂ کرم وہ ہمارے ہیں ہم نہیں

دے اے جنونِ عشق بس اب اذنِ زندگی
قلب و نظر میں کشمکشِ بیش و کم نہیں

دیکھا ہے چشمِ شوق نے شام و سحر کا رنگ
دل ہے کہ پھر بھی واقفِ دیر و حرم نہیں

دوری میں اضطراب حضوری میں اضطراب
اس درد کے نثار کسی طرح کم نہیں

مضطرؔ کا دل ہے اس میں بھلا دیکھتے ہو کیا
یہ جامِ جم نہیں ارے یہ جامِ جم نہیں

آتا نہیں ہے کوئی نظر اجنبی مجھے
لے آئی کس مقام پہ اے بیخودی مجھے

اکثر حجابِ حسن کی خاطر خلافِ شوق
دینا پڑا نظر کو فریبِ خودی مجھے

پاسِ غرورِ حسن ہے اک شانِ عاشقی
اور شانِ عاشقی ہے مری عاجزی مجھے

یہ کس کا اہتمام ہے بزمِ حیات میں
محسوس ہو رہی ہے ابھی سے خوشی مجھے

یا میں حجابِ حسن کی حد سے گزر گیا
یا یہ کہ آج تابِ نظر مل گئی مجھے

تیرے بغیر جانِ تمنّا تری قسم
محسوس ہر قدم پہ ہوئی ہے کمی مجھے

وہ کہہ رہے تھے مجھ سے محبت کی داستاں
مضطر کا ذکر آیا تو نیند آگئی مجھے

وجہ تسکین ہو بے کلی شاید
کام آجائے درد ہی شاید
دل پریشاں سکوں پذیر نظر
ہے جنوں بیں ابھی کمی شاید
دھڑکنیں دل کی تیز تر ہیں کیوں
منزلِ دوست آ گئی شاید
در د اصلِ حیات کیا معنی
دل کو ہے پاسِ بے کلی شاید
حاصلِ زندگی ہے موت غلط
حاصلِ موت زندگی شاید
ڈوبی جاتی ہے نبض کیوں مضطر
رُخ بدلتی ہے زندگی شاید

یہ زاویے نظر کے جدھر دیکھتے رہے
ہر سمت اُن کو پیشِ نظر دیکھتے رہے

اپنی نگاہ و دل سے جدھر دیکھتے رہے
خود آپ ہی کو پیشِ نظر دیکھتے رہے

رنگِ شفق، تبسّمِ گُل، حُسنِ آفتاب
جلوے بقدرِ ظرفِ نظر دیکھتے رہے

ایسا بھی ایک دورِ محبت گزر گیا
ہم اُن کی وہ ہماری نظر دیکھتے رہے

وہ دل کے آئینے میں نظر آئے گا ضرور
خود اپنا عکس اِس میں اگر دیکھتے رہے

کیا کہیئے وہ کہاں تھے، کدھر جلوہ بار تھے
کیا کہیئے ہم کہاں تھے، کدھر دیکھتے رہے

دل سے گریز منزلِ دل کی تلاش میں
اسلوبِ احتیاطِ نظر دیکھتے رہے

دیکھا نہ اُن کی سمت شکستوں کے باوجود
خودداریٔ مذاقِ نظر دیکھتے رہے

مضطرؔ قرارِ دل نہیں حاصل ہوا ہمیں
بزمِ سکونِ زیر و زبر دیکھتے رہے

○

اِس سمت نہ اُس سمت پئے کسبِ ضیا دیکھ
دل خود ہے ترا مطلعِ انوارِ خدا دیکھ

اشکوں میں جھلکنے لگی سُرخی سی یہ کیا دیکھ
خوں ہو کے جگر بہتا ہے اے ضبط وفا دیکھ

ہر رنگ میں ہے حُسنِ ازل جلوہ نما دیکھ
سُورج کی چمک دیکھ ستاروں کی ضیا دیکھ

اے برق، نشیمن تو مرا کیا ہے؟ مگر خیر
دو چار شکستہ سے یہ تنکے ہیں، جلا دیکھ

ہے رہگذرِ ہوش میں اک منزلِ جرأت
اک اور قدم جرأتِ رندانہ بڑھا دیکھ

تعمیر کے دامن میں ہیں تخریب کے پہلو
اے مستِ مے ہوش سنبھل ہوش میں آ دیکھ
ہے حسنِ رُخِ عشق کا اک پرتوِ زرّیں
اور عشق ہے آئینہ حقیقت کا اُٹھا دیکھ
سجدہ ہے دمِ مرگ ترے نقشِ قدم پر
مجبورِ محبّت کی جفا کیشِ وفا دیکھ
مضطرؔ نے کسی گام پہ ہمّت نہیں ہاری
ہر گردشِ ایّام کا مُنہ توڑ دیا دیکھ

○

اب مندر و مسجد اور گرجا تینوں سے مجھے کچھ کام نہیں
دامانِ محبت اے ناصح آلودۂ صبح و شام نہیں

پردوں کا تسلسل ختم ہوا جلووں کی حدیں ہوتی ہیں شروع
اے تابِ نظر نظارہ کر اب ذوقِ نظر کا کام نہیں

اب زلف فدائے عارض ہے اب کفر پہ ایماں قرباں ہے
اب شام نثارِ صبح ہے اب صبح نثارِ شام نہیں

خود دار جبینِ اُلفت کو شرمندۂ سجدہ کیوں کرتے
کیا دل میں تمہاری یاد نہیں کیا لب پہ تمہارا نام نہیں

دل اور نظر میں ربط نہیں تکمیلِ جنوں کی کیا صورت
جو نقش ہے سجدہ گاہِ یقیں وہ سجدہ گہہ اوہام نہیں

جو کہنا ہے وہ کہنا ہے مضطرؔ نہیں کہنے سے ڈرتا
دُنیا کے بنانے والے کا جو فیض ہے فیضِ عام نہیں

انساں حقیقت میں محبت کا امیں ہے
عرفانِ حقیقت یہ مگر عام نہیں ہے

اوہام پرستی مرے مذہب میں نہیں ہے
آنکھوں میں مری جلوہ نما حسنِ یقیں ہے

ہر نقشِ مجازی میں ہے تنویرِ حقیقت
انسان نہیں جو یہ سمجھتا ہی نہیں ہے

یہ شام و سحر ایک ہی صورت کے دو رُخ ہیں
جو ماہ منور ہے وہی مہرِ مبیں ہے

جلوؤں کے کرشمے ہیں مرے دیدہ و دل میں
دیکھو تو سبھی کچھ ہے نہیں ہے تو نہیں ہے

احساس بدل دیتا ہے انسان کی فطرت
بے حس تو وہی ہے جسے احساس نہیں ہے

کمالِ عجز پر مغرور ہوتا جا رہا ہوں میں
وہ بڑھتے آ رہے ہیں دُور ہوتا جا رہا ہوں میں

زہے احساسِ دل مخمور ہوتا جا رہا ہوں میں
شرابِ معرفت سے چُور ہوتا جا رہا ہوں میں

تعیّن کی حدوں سے دُور ہوتا جا رہا ہوں میں
قریبِ منزلِ منصُور ہوتا جا رہا ہوں میں

خِرد کی حد سے جتنا دُور ہوتا جا رہا ہوں میں
قریبِ جلوۂ مستُور ہوتا جا رہا ہوں میں

مُکمّل حُسن سے معمُور ہوتا جا رہا ہوں میں
مجسّم ایک موجِ نُور ہوتا جا رہا ہوں میں

نہ پُوچھو انتہائے تشنگئ شوق اے مضطر
حریفِ ساقئ مخمور ہوتا جا رہا ہوں میں

○

نازک مریضِ ہجر کی حالت ہے آج کل
دھڑکن بھی دل کی بارِ سماعت ہے آج کل

دل ماورائے عالمِ صورت ہے آج کل
دُنیا مرے خیال کی جنّت ہے آج کل

ہر اک کلی عروسِ لطافت ہے آج کل
ہر گل حریفِ حُسنِ حقیقت ہے آج کل

دل مرکزِ جمالِ حقیقت ہے آج کل
کس کو نظر اُٹھانے کی فرصت ہے آج کل

ہوش و خرد پہ غلبۂ حیرت ہے آج کل
کس کو تمیزِ معنیٰ و صُورت ہے آج کل

ہر گام اک مقامِ عبادت ہے آج کل
ہر نقش پر جبینِ محبت ہے آج کل

مژدہ جنوں کہ ٹوٹ چلا سحرِ بے خودی
اہلِ خرد کو تیری ضرورت ہے آج کل

دستِ جنوں ہے پردۂ فانوس کی طرف
جلوے ہیں اور دیدۂ حیرت ہے آج کل

داغِ فراق، داغِ وفا، داغِ آرزو
دل کیا ہے لالہ زارِ محبّت ہے آج کل

یا چشمِ غم نصیب میں آنسو نہیں رہے
یا غم کو پاسِ ضبطِ محبّت ہے آج کل

ہر چیز گو یا مطلعِ انوار ہے مضطر
ہر ذرّہ آفتابِ حقیقت ہے آج کل

نہ سوزِ غم نے چشمِ نم نے مارا
مجھے احساسِ رنج و غم نے مارا

نہ دم ہوتا نہ دم دیتا بتوں پر
خدا شاہد مجھے اِس دم نے مارا

بہارِ لالہ و گُل پر ہے تہمت
مذاقِ شعلہ و شبنم نے مارا

قریب و دُور کے جلوؤں نے لُوٹا
تمیزِ حُسن بیش و کم نے مارا

نظر سہمی، دماغ و دل پریشاں
خیالِ گیسوئے برہم نے مارا

یقینِ وعدۂ مبہم تھا مضطر
یقینِ وعدۂ مبہم نے مارا

دعاؤں کا اثر اُلٹا ہوا ہے
وہ ہم سے اور کھنچتا جا رہا ہے
یہ منزل کون سی ہے عاشقی کی
کہ دل ہی بے نیازِ مدعا ہے
شبِ غم میں یہ مرگِ ناگہانی
اگر آ جائے تو رونا ہی کیا ہے
دوائے دردِ دل ہو گی کہاں سے
کہ دردِ دل ہی خود اپنی دوا ہے
فریبِ رنگ و بو میں آنے والے
ترے ادراک کو کیا ہو گیا ہے

سجدۂ شوق بہر اک در پہ ادا ہوتا ہے
ہم نے سمجھا تھا فقط ایک خدا ہوتا ہے
ناوک افگن کی خطا ہے کہ مقدّر کی مرے
نگۂ ناز کا کیوں تیر خطا ہوتا ہے
عام رسموں پہ نہیں شرحِ محبّت کا مدار
عاشقی کے لئے دستور جدا ہوتا ہے
سُننے والوں کے جگر چاک ہوئے جاتے ہیں
کون محفل میں یہ سرگرمِ نوا ہوتا ہے
یہ ہے معراجِ محبّت کا کرشمہ مضطرؔ
لب پہ جو نالہ پہنچتا ہے دعا ہوتا ہے

طرب خانوں کے نغمے غم کدوں میں گا نہیں سکتے
کہ ہم جامِ مسرّت میں لہو چھلکا نہیں سکتے
خزاں کے خوف سے اہلِ چمن گھبرا نہیں سکتے
جو کھلنے کی طرح کھلتے ہیں گُل مُرجھا نہیں سکتے
سماعت ختم ہوتی ہے تو سُنتا ہوں وہ افسانے
جو آسکتے ہیں پلکوں تک زباں تک آ نہیں سکتے
خُدا را لاج رکھ لے اب خزاں دیدہ بہاروں کی
کہ دیوانے ترے صحرا سے دل بہلا نہیں سکتے
گوارا ہی سہی پابندیٔ فریاد بھی ہم کو
مگر وہ گیت جو ہم مسکرا کر گا نہیں سکتے
ہمیں پتوار مضطرؔ ہاتھ میں لینی پڑے شاید
کہ یہ وہ ناخُدا ہیں جو بھنور تک جا نہیں سکتے

تپش شرق